مومن اور منافق میں فرق

جلسہ پر جانے والے پاکستانیوں کو نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ جولائی ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۷ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۸ (البقرہ: ۲۵۷، ۲۵۸)

پھر فرمایا:

یہ آیات سورۂ بقرہ سے لی گئی ہیں۔ان کا ترجمہ یہ ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت کجی سے کھل کر واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص بھی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اُس کا ہاتھ گویا ایک ایسے مضبوط کڑے پر جا پڑا ہے، ایک مضبوط کڑے پر پڑ چکا ہے اور اُسے مضبوطی سے تھام چکا ہے کہ جس کے لئے ٹوٹنا نہیں اور اللہ تعالیٰ بہت ہی سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور وہ

لوگ جنہوں نے انکار کیا اُن کے دوست شیاطین ہیں جو اُنہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آگ والے ہیں اور اس آگ میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

جب بھی ہم آجکل منافق کا لفظ سُنتے ہیں تو ذہن میں بالعموم ایک اعتقادی منافق ہی آتا ہے اور عام تصور جو منافق کا ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص بظاہر ایمان لا رہا ہو لیکن درحقیقت ایمان نہ لاتا ہو اور کسی لالچ کی وجہ سے یا کسی شرارت کی نیت سے وہ ایمان لانے والے گروہ میں داخل ہوا ہو اور اپنے مفادات کی خاطر یا مؤمنوں کی جماعت کو نقصان پہنچانے کی خاطر ایمان کے پردے میں چھپا ہوا کافر ہو۔ یہ منافق کی تعریف بھی درست ہے اور قرآن کریم سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن اس کے علاوہ بھی منافقین کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اور احادیث نبویہؐ میں بھی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی ایک اور قسم ہے جو اعمال کے منافق ہوتے ہیں۔ یعنی عقائد کے لحاظ سے وہ جب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو ایمان لاتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگی میں ایسے اعمال جو صالح نہیں ہیں وہ روزمرہ اُن کی زندگی کا حصہ بنے رہتے ہیں اور مؤمن ہوتے ہوئے بھی ان کے اعمال میں کافرانہ اعمال شامل ہو جاتے ہیں۔ پس یہ دوغلا پن یعنی مؤمن ہوتے ہوئے بھی کافروں جیسے اعمال بجالانا یہ بھی ایک نفاق ہے جسے ہم عملی نفاق قرار دے سکتے ہیں۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے چار قسم کے دل بیان فرمائے اور اس حدیث نبویؐ میں بہت کھول کر ان چار قسموں کو الگ الگ کر کے دکھایا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو کافر ہیں، وہ لوگ جو منعم ہیں اور وہ لوگ جن کی بیچ کی حالت ہے اور وہ لوگ بھی جو دو قسموں میں منقسم ہیں ایک وہ جن کا میں نے اوّل طور پر ذکر کیا اور ایک وہ دوسرے جو بین بین کی حالت میں ہیں یعنی ایمان لاتے ہوئے بھی ان کے اعمال مؤمنوں کے سے اعمال نہیں بن سکے۔ حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انسانی دل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مصفّٰی شفاف تلوار کی طرح سونتا ہوا، خدمت دین کے لئے تیار اور دوسرا وہ دل ہوتا ہے جس پر غلاف چڑھا ہوا ہوتا ہے اور غلاف بھی وہ جو خوب دوہرا ہوا ہو اور تیسرا وہ دل جو اوندھا رکھا ہوا ہو اور چوتھا وہ دل جو ٹیڑھا رکھا ہوا ہو یا پتھروں کے نیچے دبا ہوا ہو۔ وہ جو پہلا دل ہے یعنی صاف، وہ تو مؤمن کا دل ہے۔ اُس کا دیا وہ نور ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوا ہے اور وہ دل جو غلاف میں بند ہے کافر کا دل ہے کہ

صداقت اس کے اندر نہیں جاتی اور کفر باہر نہیں نکلتا اور اوندھا رکھا ہوا دل منافق کا دل ہے جو پہلے صداقت کو مان لیتا ہے پھر اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور وہ دل جو ٹیڑھا رکھا ہوا ہے یا پتھروں میں دبا ہوا ہے وہ اس شخص کا دل ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں پائے جاتے ہیں۔ اس کے ایمان کی حالت تو اچھی سبزی کے مشابہہ ہے جسے پانی مل رہا ہو اور اس کے نفاق کی حالت ایک زخم کی سی ہے جس سے پیپ اور خون بہہ رہے ہوں اور پھر ان دونوں سے جو حالت غالب آجائے وہ اُسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد کتاب باقی مسند المکثرین حدیث نمبر: ۱۰۷۰۵)

پس آج میں اس قسم کے منافقین کا ذکر کر کے جماعت کو اپنے اعمال کے متعلق نگران اور خبردار رہنے کی تلقین کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کافر تو بالکل الگ ہیں اور مؤمن بالکل الگ ہیں اور بیچ کی حالت میں دو قسم کے منافقین ہیں ایک وہ جو عقیدے کے لحاظ سے کافر ہوں اور عملاً مؤمنوں کے لبادے میں مؤمنوں کی جماعت میں خفیہ طور پر داخل ہو چکے ہوں یا پہلے ایمان لائے ہوں اور پھر منکر ہو چکے ہوں اور بعض مشکلات کی وجہ سے بعض مصالح کی وجہ سے وہ کھلم کھلا انکار کر کے کفر کی طرف واپس لوٹ نہ سکتے ہوں اور آخری قسم وہی ہے جن کے اعمال ابھی تک درست نہیں ہو سکے۔ ایمان بھی ہے اور اس کے ساتھ بداعمالیاں بھی ہیں اور مل جل کر یہ دونوں بیک وقت ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ یہ حالت خطرے سے خالی نہیں ہے اور جیسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نتیجہ نکالا کہ اس دوران کسی ایک حالت کو فتح ہوگی اور مرنے سے پہلے ایسا شخص یا ایک طرف کو لڑھک جائے گا یا دوسری طرف کو اُلٹ کر واضح طور پر یا اس کا انجام کفار پر ہوگا یا مؤمنین پر اور بین بین کی حالت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔

پس وہ مؤمن جن کے اعمال میں کمزوری ہو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کی مسلسل اصلاح کرتے رہیں اور قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اصلاح انسان کے اپنے بس کی بات نہیں جب تک ولایت نصیب نہ ہو اُس وقت تک یہ اصلاح ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ولایت کی جستجو ضروری ہے۔ ولایت کے متعلق بھی یہ خیال ہے کہ وہ شخص جو بہت پہنچا ہوا بزرگ ہو اُسے ہی خدا تعالیٰ کی ولایت نصیب ہوتی ہے یہ درست نہیں ہے۔ اُس کو بھی ولی کہتے ہیں لیکن ہر ایمان لانے والے کو جو سچے دل سے ایمان لاتا ہے ایک طرح سے خدا تعالیٰ کی ولایت نصیب ہو جاتی ہے

اور اسی کے متعلق یہ آیت قرآنی ہے جس کی میں نے تلاوت کی۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں وہ تو اندھیروں سے نکل آئے۔ پھر ان کے متعلق یہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اللہ اُن کا دوست بن جاتا ہے اور ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے کے ساتھ ہی اعمال کی پوری اصلاح نہیں ہوا کرتی بلکہ خلوص دل سے ایمان لانے والوں کو صرف یہ امتیاز اور یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی مدد فرماتا رہتا ہے اور ان کو رفتہ رفتہ کفر کے حالات سے نکال کر ایمان کے حالات ان کو عطا کرتا رہتا ہے۔ یعنی عملی زندگی میں بھی ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف منتقل فرماتا رہتا ہے اور اعتقادی لحاظ سے بھی ان کو پہلے کی نسبت زیادہ بصیرت اور زیادہ واضح یقین کی حالت عطا فرماتا ہے اور علم الیقین کو حق الیقین میں بدلتا رہتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کو سمجھنے کے بعد ہر مؤمن کو اپنی فکر کرنی چاہئے اور اپنے اعمال کا اس طرح امتحان لینا چاہئے کہ کیا میں وہ ایمان لایا ہوں جس کے نتیجے میں خدا میرا ولی بن چکا ہو اور کیا دن بدن میرا رُخ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ہے یا نہیں ہے۔

چنانچہ جب مؤمنوں کی جماعت پر ہم اس طرح سے نظر ڈالتے ہیں تو اگر چہ بداعمالیاں کسی نہ کسی رنگ میں ہر اس سالک کی زندگی میں پائی جاتی ہیں جو نیکی کی طرف یا خدا کی طرف حرکت کر رہا ہے اور بداعمالیاں ان منافقین میں بھی پائی جاتی ہیں جن کے اندر کچھ اخلاص کی کمی کی وجہ سے یا اور ایسی بدیوں کی وجہ سے ان کے ایمان زخم خوردہ ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر چہ مؤمن رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود بدیوں کی طرف ان کا رجحان بڑھتا چلا جاتا ہے۔

پس مؤمنوں کی سوسائٹی میں اس قسم کی حالت کے انسان آپ کو ہر جگہ دکھائی دیں گے لیکن ان دونوں حالتوں پر نفاق کا لفظ اطلاق نہیں پاتا۔ یہ مضمون میں آپ پر اچھی طرح کھولنا چاہتا ہوں۔ کچھ ایسے مؤمن بھی ملیں گے جن کے اعمال کمزور ہیں لیکن ان کو خدا کی ولایت نصیب ہوتی ہے۔ کچھ ایسے مؤمن بھی نظر آئیں گے یا مؤمنوں کی سوسائٹی میں ایسے لوگ بھی دکھائی دیں گے جن کے اعمال کمزور ہیں لیکن انہیں اللہ کی ولایت نصیب نہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک بہت بڑا فرق ہے اور فرق یہ ہے کہ وہ مؤمن جو کمزور اعمال ہیں مگر ولایت نصیب ہے وہ دن بدن سدھرتے چلے جاتے

ہیں اور مؤمنوں کی جماعت میں وہ لوگ جن کے اعمال کمزور ہیں لیکن ولایت نصیب نہیں ہے وہ دن بدن پہلے سے زیادہ گندی اور ابتر حالت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نکتہ کا عرفان حاصل کر کے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ نے اپنی گہری چھان بین کی اور ہر ایک ان میں سے خوفزدہ رہنے لگا کہ ہمارے نفاق کی کیا حالت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حُنظلہؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تو منافق ہو گیا ہوں اور اپنے متعلق سخت خوف کا اظہار کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیوں تمہیں خوف ہے کہ تم منافق ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں جب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس ہوتا ہوں تو میرے دل کی اَور کیفیت ہوتی ہے اور جب میں ان سے الگ ہوتا ہوں تو میرے دل کی کیفیت اور ہو جاتی ہے اور میں کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میرا بھی یہی حال ہے (مسلم کتاب التوبہ حدیث نمبر: ۴۹۳۷)۔ اب دیکھیں کہ صدیقیت سے بالا مقام نبوت سے نیچے اور کوئی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دینا دراصل نفاق نہیں بلکہ صدیقیت کی نشانی ہے۔ آپ اس مضمون کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہر مؤمن میں دو قسم کی حالتیں جاری و ساری رہتی ہیں اور دونوں کے درمیان ایک مستقل جدوجہد اور لڑائی رہتی ہے۔ کبھی روشنی نمایاں ہو جاتی ہے کبھی اس روشنی پر سائے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شخص منافق ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مدد اور خدا تعالیٰ کی ولایت کے ساتھ ایسا شخص جب ان باتوں کا عرفان پا لیتا ہے تو مسلسل اس کی حرکت اندھیروں سے روشنی کی طرف ہوتی چلی جاتی ہے اور یہاں اندھیروں سے مراد کفر نہیں ہے بلکہ ایمان لانے والوں پر کفر کے معنی میں اندھیرے کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ پس مؤمن تو کفر کے اندھیروں میں نہیں ہوتے۔ مراد یہ ہے کہ خدا کا نور چونکہ لامتناہی ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف حرکت دراصل اندھیروں سے نور کی طرف حرکت کا نام ہے اور ہر اگلے قدم پر نور، نور کو ایک نئی جلا نصیب ہوتی ہے اور اس کے مقابل پر پچھلی حالت اندھیرے دکھائی دینے لگتی ہے اور وہ لوگ جو خدا کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ہزارہا بلکہ لاکھوں خدا کرے کہ احمدیوں میں ایسے ہوں وہ جانتے ہیں کہ

یہ مضمون ہر انسان کی ذات پر صادق آتا ہے۔ جوں جوں وہ ایمان اور تقویٰ میں ترقی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے اپنی حالت سدھارتا چلا جاتا ہے جب وہ پچھلی حالت کی طرف دیکھتا ہے تو یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا اسے اندھیروں سے روشنی نصیب ہوئی ہے۔ اندھیری رات میں سایہ دار جگہ سے اگر آپ چاندنی کی طرف باہر نکل آئیں تو آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ آپ کو ہر قسم کی روشنی میسر آگئی اور اس سے بڑھ کر اور روشنی کیا ہوگی مگر یہ چاندنی رات جب صبح کی طرف منتقل ہوتی ہے اور پو پھوٹتی ہے تو انسان سمجھتا ہے کہ اس چاندنی کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی اب روشنی نصیب ہوئی ہے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ابتداء میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا روشنی ہوگی لیکن جب نصف النہار تک پہنچتا ہے تو روشنی کی کیفیت اور ہو جایا کرتی ہے۔ سورج کا نور تو محدود ہے اس کے باوجود نسبتی لحاظ سے اندھیروں سے روشنی کی طرف آنے کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ خدا کا نور تو لامحدود ہے اس لئے وہاں اندھیروں سے روشنی کا سفر ایک جاری وساری سفر ہے اور ہر ایمان لانے والے کو اس معاملے میں خدا تعالیٰ سے ملتجی رہنا چاہئے۔ بمنّت دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اے خدا! ہم ایمان لے آئے ہیں پس اب ہمیں اپنے وعدے کے مطابق اندھیروں سے روشنی میں منتقل فرما اور وہی وہ تلقین ہے جو دوسرے لفظوں میں لیکن اسی مضمون پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے خدا تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (یہ دعا سکھاتا ہے ہمیں) رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (ال عمران: ۱۹۴) اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو سُنا، ایک صدا دینے والے کی صدا کو سنا اور وہ یہ اعلان کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ فَاٰمَنَّا پس ہم ایمان لے آئے لیکن یہاں ہمارا سفر ختم نہیں ہوتا۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا پس اے ہمارے رب! اب ہمارے گزشتہ گناہوں کو بخش دے۔ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور ہماری برائیاں دور کرنی شروع کر دے۔ پس ایمان لاتے ہی برائیاں دور نہیں ہوا کرتیں بلکہ ایمان لانے کے بعد انسان کو یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے کہ خدا کی مدد سے اُس کی برائیاں دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں اگر وہ خدا سے مدد مانگتا رہے اور باشعور طور پر خود اپنے نفس کی نگرانی کرے۔ چنانچہ فرمایا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اور مؤمن کا یہ سفر

موت تک جاری رہتا ہے۔فرمایا ہمیں اس حالت میں وفات دینا کہ تیرے نزدیک ہم ابرار میں شامل ہو چکے ہوں۔پس ہر مؤمن کا اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر موت تک جاری رہتا ہے۔اس کے بعد یہ دعا سکھائی۔رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۝۱۹۵ (آل عمران: ۱۹۵) کہ اے ہمارے رب! ہم تجھ سے اب یہ التجاء کرتے ہیں کہ ہمارے حق میں وہ سارے وعدے پورے فرما دے جو تو نے گزشتہ رسولوں کو ہمارے متعلق عطا فرمائے تھے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا اور ذلیل نہ کرنا اور ہم جانتے ہیں کہ تو سچے وعدوں والا ہے اور کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ان دونوں مضامین کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ان کے فتح سے پہلے یعنی بیرونی فتح سے پہلے نفس پر فتح حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔اسی لئے خدا تعالیٰ نے ان دعاؤں کو اس ترتیب میں رکھا۔پہلے نفس پر فتح کی دعا سکھائی۔ہم ایمان لے آئے،ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں گزشتہ گناہوں سے بخشش فرما اور آئندہ مسلسل ہماری اصلاح فرماتا رہ اور ہماری بدیاں دور کرتا رہ یہاں تک کہ ہم تیری نظر میں ابرار میں شامل ہو چکے ہوں اور اس حالت میں ہمیں موت دینا۔

جب یہ دعا مکمل طور پر مؤمن کے حق میں سنی جاتی ہے، جب وہ اپنے نفس پر کامل طور پر فتح یاب ہو جاتا ہے پھر وہ حق رکھتا ہے کہ خدا سے ان وعدوں کے پورا کرنے کی دعا کرے جو مؤمنوں کی فتح کے وعدے گزشتہ انبیاء کو عطا کئے گئے تھے اور بغیر پہلی دعا کی قبولیت کے دوسری دعا کی قبولیت ممکن نہیں ہے اور اگر پہلی دعا کی قبولیت کے بغیر دوسری دعا قبول ہو جائے تو دنیا کے لئے بھلائی کا موجب نہیں بلکہ سخت نقصان کا موجب ہوگی کیونکہ وہ لوگ جو ایمان کے باوجود اپنی بدیاں ترک نہیں کر سکتے وہ اگر دنیا کے سردار بنا دیئے جائیں تو تمام دنیا کے لئے اس میں خوشخبری نہیں بلکہ ہلاکت کا پیغام ہے۔پس دیکھئے قرآن کریم نے کس فصاحت و بلاغت کے ساتھ اور کس گہری حکمت کے ساتھ ایسی دعائیں سکھائیں جن دعاؤں میں وہ مضمون نہایت ربط کے ساتھ اور اپنے مرتبہ اور مقام کے مطابق آگے بڑھتا ہے اور ہمیں یہ سب دے دیا گیا کہ اگر تم نے اپنے اعمال کی اصلاح نہ کی تو خدا سے ان وعدوں کی طلب نہ کرنا جو وعدے تمہارے حق میں پہلے انبیاء کو دیئے گئے ہیں۔پھر یہ دعا سکھائی کہ اے خدا! قیامت کے دن ہمیں ذلیل اور رسوا نہ کرنا۔ایمان والوں کو ذلیل اور رسوا کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ وہ پہلی آیت نے حل کر دیا۔اگر ایمان کے بعد اخلاقی اور عملی حالت میں کوئی

اصلاح پیدا نہ ہو تو پھر ایسے لوگوں کے حق میں دوسرے وعدے بھی پورے نہیں ہوتے اور ایسے لوگ قیامت کے دن رسوا اور ذلیل کئے جائیں گے لیکن خدا کے وعدے جھوٹے نہیں ہوں گے۔

یہاں ایک اور مضمون بھی کھول دیا گیا کہ خدا تعالیٰ نے جو فتح کے وعدے عطا فرمائے ہیں وہ سب مشروط وعدے ہیں۔ یہ وہ جماعت ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی جماعت جس کے حق میں قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں ازل سے انبیاء کو بہت بڑی بڑی خوشخبریاں عطا کی گئی تھیں اور یکے بعد دیگرے تمام انبیاء ان آنے والے دنوں کی خوشخبریاں دیا کرتے تھے جبکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کل دنیا اور نبیوں کے سردار کے طور پر ظاہر ہوئے تھے اور آپ نے متقیوں کی ایک جماعت پیدا کرنی تھی۔ اتنے قطعی وعدوں کے باوجود خدا تعالیٰ نے یہ بات خوب کھول دی کہ یہ وعدے اُنہیں لوگوں کے حق میں پورے ہوں گے جو پہلے ایمان کے بعد اپنے اعمال میں نیک تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کریں کیونکہ یہ وعدے ہمیشہ مشروط ہوا کرتے ہیں اور کوئی قوم یا کسی قوم کے بعض افراد ایسا نہ کر سکے ہوں تو قیامت کے دن ذلت اور رسوائی سے بچ نہیں سکیں گے اور خدا پر یہ شکوہ کرنے کا اُن کو کوئی حق نہیں ہوگا کہ تو نے انبیاء کی زبان سے ہمیں یہ خوشخبریاں عطا کی تھیں اس سے زیادہ پختہ وعدے اور کیا ہو سکتے ہیں؟ لیکن پھر کیوں ہم ان وعدوں کے پورا ہونے سے محروم رکھے گئے یہ شکوہ ایسا لوگوں کو کرنے کا کوئی حق نہیں جو ایمان کے بعد اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

پس جماعت احمدیہ کو کیونکہ اب دنیا میں عظیم غلبے عطا ہونے والے ہیں اور جماعت احمدیہ کے حق میں گزشتہ انبیاء کے وعدے پورے ہونے کے دن قریب آ رہے ہیں کیونکہ جماعت احمدیہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی جماعت ہے اور وہ وعدے جو آپؐ کے اوّلین سے کئے گئے تھے وہ وعدے آپؐ کے آخرین کے حق میں بھی لازماً پورے ہونے ہیں۔ اس پہلو سے لازم ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف پہلے سے بڑھ کر متوجہ ہوں۔

اس مضمون کا خیال کل مجھے ملاقاتوں کے دوران آیا اور جب میں نے کھل کر پاکستان سے آنے والے مہمانوں کا جائزہ لیا تو اُس وقت مجھے اس طرف توجہ ہوئی کہ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس اہم جمعہ کے موقع پر جبکہ تمام دنیا سے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اسلام کے شیدائی یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ان کو یہ بات سمجھا دوں کہ **محض احمدی ہونا کافی نہیں ہے، محض ایمان لانا کافی نہیں**

ہے۔ایمان اگر سچا ہے تو خدا آپ کا ضرور ولی بنے گا اور اگر خدا ولی بن جائے تو آپ کی ہر آنے والی حالت پہلی حالت سے بہتر ہونی شروع ہو جانی چاہئے۔اگر آنے والی حالت آپ کی بہتر نہ ہو اور اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف حرکت کر رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ منافقت کی یہ کیفیت قابل مواخذہ ہے اور یہ اس قسم کے منافق وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بالآخر اُن کا بدانجام ہوگا اور وہ کافرانہ حالتوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اس ضمن میں مجھے ایک اور بھی فکر پیدا ہوئی۔ پاکستان سے جو اس سال مخلصین تشریف لائے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بھاری اکثریت محض للہ اس سفر کی صعوبت اور سفر کے ایسے اخراجات برداشت کر کے آئی ہے جن کے وہ بظاہر متحمل نہیں تھے اور محض للہ اس جلسے میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں تا کہ وہ اپنی دیر کی دیرینہ، کئی سال کی پیاس بجھا سکیں لیکن اُن کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی آ گئے ہیں جو اعمال کے لحاظ سے اپنے مقام پر بھی اپنے اپنے دیہات میں بھی کمزور تھے اور عدم تربیت یافتہ تھے۔بعض ایسے اضلاع ہیں یعنی پاکستان سے یعنی پنجاب سے خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے اضلاع ہیں جہاں تربیت کی کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ دیہات جہاں ظاہری طور پر بھی جہالت ہے یعنی علم کی کمی ہے وہاں تربیت کی کمی اور علم کی کمی نے مل کر وہ کیفیت پیدا کر دی ہے جیسا کہ کہتے ہیں کریلا اور نیم چڑھا۔کریلا ہوتا تو کڑوا ہی ہے لیکن اگر نیم کے درخت پر جو خود بہت کڑوا ہے کریلے کی بیل چڑھا دی جائے تو اُس کریلے کی تلخی عام کریلے کی نسبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ پس ایسے بعض احمدیوں کا یہاں آنا خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین ہوں جن کی تربیت میں کمزوریاں رہ گئی ہیں۔ باہر سے دوسرے آنے والوں کے لئے بہت خطرات پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں آنے والے مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ ایسے احباب ہیں جو یورپ سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ امریکہ سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ افریقہ سے، کچھ مشرق بعید سے، مختلف ممالک سے ہجوم در ہجوم یا اکا دُکا جیسی جیسی کیفیت ہو لوگ یہاں اللہ کی محبت میں چلے آئے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں سے کچھ توقعات لے کر بھی آئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اجتماع محض للہ ہے اور محض دین کی خاطر منعقد کیا جا رہا ہے اور وہ چونکہ یقین رکھتے ہیں کہ سب دور دور سے آنے والے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے اس لئے اگر وہ ہم میں سے بعض ایسی کمزوریاں دیکھیں جو مؤمنوں کو زیب نہیں دیتیں تو وہ یقیناً ایسے لوگوں میں سے کم فہم

لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن سکتا ہے۔کم فہم کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ مومن سے لوگوں کو کوئی ٹھوکر نہیں لگتی۔ وہ مومن جو صاحب فراست ہے، وہ مومن جو حقیقت میں کامل روشنی اور کامل نور کے ساتھ خدا پر ایمان لاتا ہے اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ:۲۵۷)اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا مضبوط ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ کڑا جب اُس پر اُس نے ہاتھ ڈالا یعنی ایمان کا کڑا اور تعلق باللہ کا کڑا نہ وہ کڑا ٹوٹ سکتا ہے اور نہ اس کا ہاتھ چھوٹ سکتا ہے۔

پس ایسے اعلیٰ صاحب عرفان لوگ جو نسبتاً کم ہوتے ہیں ان کے لئے تو کسی ٹھوکر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا مگر بہت سے لوگ ان کے مقابل پر ادنیٰ حالتوں پر ہوتے ہیں اور ابھی ان کا بدیوں سے نیکیوں کی طرف سفر اور اندھیروں سے نور کی طرف سفر اتنا آگے نہیں بڑھا ہوتا کہ وہ مقام محفوظ تک پہنچ چکے ہوں۔ایسے لوگ بعض اوقات ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔پس وہ لوگ جو اپنی کمزوریاں لے کر باہر نکلتے ہیں اور نومؤمنین سے اُن کو واسطے پڑتے ہیں بعض دفعہ ان کے لئے بہت بڑے ابتلاء کا موجب بن جاتے ہیں اور یہ ابتلاء کئی قسم کے پیش آتے ہیں۔مثلاً ایک اذان دی جاری ہے، نماز کا وقت قریب آرہا ہے، دور دور سے مختلف رنگوں اور نسلوں اور قوموں اور زبانیں بولنے والے لوگ نماز کے لئے کوشاں ہورہے ہیں، کوئی وضو کے لئے لپک رہا ہے کوئی ویسے فارغ ہو کر مسجد کی طرف دوڑا چلا جارہا ہے اور دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ جو پاکستان سے آئے ہوئے ہیں وہ اپنی گپّوں میں مصروف ہیں ان کو کوئی پرواہ نہیں کہ خدا کے نام پر اُن کو مسجد کی طرف بلایا جارہا ہے۔اب وہ سرسری سی نظر بھی ان کی حالت پر ڈالیں تو وہ سرسری نظر دل پہ گہرا اثر ڈال جاتی ہے اور بعض دلوں پر زخم لگا جاتی ہے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں ہم تو ان کی فکروں میں گھلتے رہے، ہم تو ان کے لئے دنیا میں شور مچاتے رہے کہ ہمارے مومن بھائیوں کا خیال کرو جو خدا کی خاطر خدا کے نام پر اس طرح تکلیف دیئے جارہے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ عبادت سے ہی غافل ہیں۔ یہ واقعات عملاً ہوتے ہیں۔

چنانچہ گزشتہ سال کی بات ہے ایک یورپین مخلص احمدی نے مجھے اسی طرح کا خط لکھا۔اُس میں لکھا کہ میں تو تہجد کے لئے بھی اُٹھتا تھا اور اپنے بھائیوں کو جگاتا بھی تھا لیکن میرے دل پر بڑا زخم لگ گیا ہے کہ بہت سے پاکستانی جو اُسی بیرک میں قیام پذیر تھے جس بیرک میں مَیں ٹھہرا ہوا تھا وہ

میرے اُٹھانے پر اُٹھنا تو درکنار بُرا مناتے تھے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ پس یورپ کا ایک نیا مخلص احمدی جس نے عیسائیت کو ترک کیا اور اسلام کو قبول کیا اس کا تو یہ نمونہ تھا اور اس کے مقابل پر جن لوگوں کے متعلق وہ سمجھتا تھا کہ وہ ایمان میں ہم سے بہت آگے ہوں گے ان کا یہ نمونہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے فکر کا اظہار کیا۔ مجھے یاد آ گیا یہ براہ راست (مجھے خط نہیں لکھا بلکہ مربی سے انہوں نے ان باتوں کا اظہار کیا اور انہوں نے پھر مجھے یہ ساری تفصیل لکھی۔) بہر حال بات وہی ہے عملاً واقعہ ایسے ہی ہوا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ مخلص اور نیک ہیں اس لئے ان کے لئے خصوصیت سے دعا بھی کی اور ان کو سمجھانے کا خط بھی لکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس ابتلاء سے وہ ثابت قدم باہر نکل آئے اور کسی قسم کے لغزش نہیں کھائی لیکن اوّل تو ہر شخص ایک مقام پر نہیں ہوتا اور دوسرے ہر شخص کی بات مجھ تک پہنچتی بھی نہیں اور ہر شخص اپنے وساوس کا اظہار دوسرے سے کرتا بھی نہیں۔ اس لئے بعض خاموش تماشائی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اثرات لے کر واپس لوٹ جاتے ہیں اور کسی دوسرے کو صفائی کا موقع نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق ہم کیسے فکر کر سکیں گے۔

اس لئے پاکستان سے آنے والے احمدیوں کو خصوصیت کے ساتھ میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نفاق کی حالت پر نگاہ کریں۔ اگر تو آپ کے نفاق کی حالت یہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ اُن کو اندھیروں سے لازماً روشنی کی طرف بلائے گا تو پھر مجھے آپ کے بارے میں کوئی فکر نہیں ہے۔ لیکن اگر خدا کی ولایت سے خالی ہیں، اگر آپ کی بدیاں بچپن سے آپ میں راسخ ہو چکی ہیں اور وقت کے ساتھ بڑھ رہی ہیں اور کم نہیں ہو رہی ہیں یا بدیوں کا احساس نہیں رہا، وہ شعور نہیں رہا جو شعور انسان کو اپنے اندرونے سے آگاہ کرتا رہتا ہے تو پھر آپ کی حالت سخت خطرے کی حالت ہے اور یہ حالت تو وہاں بھی خطرے کی تھی اور یہاں بھی خطرے کی ہے لیکن خدا کے لئے اس حالت کو دوسروں کے لئے تو خطرے کا موجب نہ بنائیں۔ خدا کا خوف کریں اور اپنے اعمال کی اس طرح نگرانی کریں کہ اگر کچھ کمزوریاں ہیں تو کم سے کم آپ کی ذات تک رہیں جب تک خدا آپ کو ان سے نجات نہیں بخشتا۔ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنیں۔

جہاں تک اس قسم کے نفاق کا تعلق ہے یہ نفاق بُرا نفاق نہیں بلکہ اچھا نفاق ہے۔ ایک انسان بعض دفعہ نفاق کا اظہار کرتا ہے اپنے متعلق غلط تأثرات پیدا کرنے کے لئے کہ لوگ اس کو متقی

سمجھیں، نیک سمجھیں، اس کی عزت کریں اور اس طرح اس کو سوسائٹی سے کچھ فوائد پہنچ جائیں۔ یہ نفاق لازماً بُرا نفاق ہے لیکن ایک انسان کوشش کر کے محض اس لئے اپنے پردے ڈھانپتا ہے کہ لوگوں کے لئے تکلیف کا موجب نہ ہو اور جو نسبتاً بہتر ایمان والے لوگ ہیں ان کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنے تو یقیناً یہ نفاق بُرا نفاق نہیں ہے کیونکہ یہ خدا کی خاطر ہے اور اچھی نیت کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

تم ان باتوں پر غور کرتے ہوئے آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ اس قسم کے نفاق مؤمنوں کی سوسائٹی میں تو ملتے ہیں کفار کی سوسائٹی میں نہیں ملتے۔ کفار کی سوسائٹی تو کھلی کھلی ہوتی ہے اُن کی بدیاں باہر نکل آتی ہیں اور ساری دنیا کو دکھائی دے رہی ہوتی ہیں اور بعض معصوم یہ سمجھتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ سچے ہیں اور کم سے کم منافق تو نہیں جو کچھ ہے وہ سب کچھ انہوں نے ظاہر کر دیا لیکن یہ بات نہیں سوچتے کہ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ شیطانوں کے دوست بن چکے ہوتے ہیں اور مسلسل شیطان ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتا چلا جاتا ہے۔ ایسے لوگ بظاہر نفاق کی بدی سے تو پاک ہوتے ہیں لیکن اس بدی سے پاک ہونے کا نام کفر ہے۔ یعنی اپنی بدیوں پر دلیر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اپنی بدیوں سے حیا مٹ چکی ہوتی ہے، کسی قسم کی شرم باقی نہیں رہتی۔ اس لئے نفاق کی ضرورت نہیں رہتی اور اس وجہ سے کہ شرم بدیوں کی حیا نہیں رہی لازماً یہ سوسائٹیاں بد سے بدتر حال کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ پس وہ تمام سوسائٹیاں جن میں یہ نشانی آپ کو دکھائی دے کہ وہاں بدی کی حیا مٹ گئی ہے اور حیا مٹ جانے کی وجہ سے دن بدن مزید بدی وہ سوسائٹی اختیار کرتی چلی جاتی ہے ایسی سوسائٹی کا قدم ہمیشہ اعلیٰ حالتوں سے ادنیٰ حالتوں کی طرف جاری رہتا ہے اور کوئی اُن کو روکنے والا نہیں ہوتا لیکن مؤمنوں کی حالت میں جو نفاق پایا جاتا ہے وہ اور وجہ سے ہے۔ وہاں ایک بڑا طبقہ مؤمنوں کا بدیوں کے باوجود بدیوں کی حیا رکھتا ہے اور اپنے دل میں گھلتا رہتا ہے اور کڑھتا رہتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے اور خدا سے بھی شرماتا ہے اور بندوں سے بھی شرماتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم نے حضرت آدم کے واقعہ کی شکل میں ہمیں کھول کر دکھایا۔ فرمایا جب آدم سے غلطی ہوئی اور اُسے اپنی غلطی کا شعور ہوا تو وہ بھولا انسان خدا سے چھپنے لگا اور جنت کے پتے اپنی کمزوریوں پر ڈھانپنے لگا تا کہ وہ خدا کی نظر سے پیچھے ہٹ جائے۔ خدا کی نظر سے تو کوئی ہٹ نہیں سکتا، خدا کی نظر سے تو کوئی چھپ نہیں سکتا لیکن یہ آدم کی حیاء تھی جو ظاہر کی گئی ہے اور یہی حیاء تھی جو اُس کی بخشش کا

موجب بنی۔ پس یہ ریاء نہیں ہے یہ حیاء ہے اور حیا اور ریاء میں یہی فرق ہے۔ حیاء تو اُس سے بھی چھپنے پر آمادہ کرتی ہے جس سے کوئی چھپ نہیں سکتا لیکن دونوں کیفیت کا نام ہے۔

پس مؤمن کی سوسائٹی اگر بعض بدیاں بھی رکھتی ہے تو حیاء کے ذریعے وہ پتوں سے اپنا تن اپنی کمزوریاں ڈھانپنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور اس کے نتیجے میں نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچتا ہے۔ دیکھنے والوں کے لئے ٹھوکر نہیں ہوتی اور اپنے لئے وہ حیا اکسیر کا کام کرتی چلی جاتی ہے اور دن بدن انسان اپنی بدیوں سے خود شرماتا رہتا ہے۔ پس وہ لوگ جو سلوک کی راہوں پر چلنے کے واقف ہیں وہ جانتے ہیں بسا اوقات جب ان سے بدیاں نہیں چھٹتیں تو کیسے کیسے اپنے نفس سے شرمندہ رہتے ہیں۔ حیاء اور ریاء میں یہی فرق ہے۔ ریاکار کی بدیاں اگر دوسرے کو معلوم نہ ہوں تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور اُس کو کوئی شرم نہیں آتی۔ اُس کو صرف اُس وقت شرم آتی ہے جب اس کی بدیاں پکڑی جائیں اور غیر اُن کو دیکھ لیں۔ وہ مؤمن جو ریاء نہیں کرتا بلکہ حیاء کرتا ہے اس کو تو کوئی بھی دیکھ نہیں رہا ہوتا تب بھی وہ شرما رہا ہوتا ہے۔ اپنی ذات سے شرما رہا ہوتا ہے اپنے خدا سے شرما رہا ہوتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ میں اپنے آپ کو کسی طرح چھپا لوں۔ اسی طرح استغفار ہے کیونکہ استغفار کا مطلب ہے اپنے آپ کو ڈھانپنا جیسے بعض دفعہ کیڑے جو روشنی برداشت نہیں کر سکتے وہ زمین کو کریدتے ہوئے زمین میں چھپ جاتے ہیں اپنے اوپر مٹی ڈال لیتے ہیں۔ پس ایسے وہ مؤمن جو خدا کے نور سے اس لئے شرماتے ہیں کہ وہ بد ہیں اور ان کے اندر کمزوریاں ہیں وہ اپنے اوپر استغفار کے پردے ڈالتے ہیں اور وہی استغفار ہے جو قبولیت کی اہلیت رکھتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کو سچی توبہ نصیب ہوتی ہے۔

پس ہمیں ان معنوں میں اپنی بدیوں کو ڈھانپنا چاہئے کہ ہمارا ڈھانپنے کا مقصد ریاکاری نہ ہو بلکہ حیاء ہو اور اس حیاء کے نتیجے میں سچی استغفار پیدا ہو اور استغفار کے نتیجے میں ہم مسلسل کوشش بھی کریں اور دعائیں بھی کریں۔ پس وہ لوگ جو خصوصیت کے ساتھ اس جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں اپنے اپنے ملک میں ان کی جو بھی حالت تھی یہاں وہ نسبتاً زیادہ احتیاط کریں کہ یہاں حیا میں کمی دوسروں کے لئے اُن کے ایمان کی ٹھوکر کا موجب بھی بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ مؤمن سے جو اعلیٰ تقاضے قرآن کریم ہم سے رکھتا ہے

یعنی خدا نے قرآن کریم کی زبان میں ہمارے سامنے رکھے ہیں ہم ان تقاضوں کو کامل انکسار کے ساتھ پورا کرنے والے ہوں اور دن بدن ہماری حالت اندھیروں سے نور کی طرف نکلنے والوں کی حالت ہو اور ہر آنے والا دن ہم پہلے کے مقابل پر زیادہ روشنی میں بسر کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔